مولانا علی حسین عاصمؔ بہاریؒ

ایک تعارف

از

ڈاکٹر احمد سجّاد

عاصم بہاری اکادمی، عاصم نگر، سوہ سرائے
نالندہ، بہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انیسویں صدی میں مسلمانوں کے فکری جمود، اخلاقی زوال اور مغربی استیلا نے انہیں ہمہ گیر انتشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاشی استحصال اور ہندوستانی حکمرانوں کے باہمی نفاق نے ۱۸۵۷ء میں صدیوں کے لئے انہیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ جس معاشی خوشحالی اور صنعت پارچہ بافی کی دھوم سارے جہان میں مچی ہوئی تھی دیکھتے ہی دیکھتے اس کا خاتمہ ہو گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ظلم اور لوٹ کھسوٹ جب حد سے تجاوز کرنے لگی تو مرشد آباد کے ایک بنکر نے یہ پیش کش کی کہ مالکانِ کمپنی ہم سے منہ مانگی قیمت پر کمپنی فروخت کر دیں اور ہمارا ملک چھوڑ دیں۔ ظاہر ہے کہ اجتماعی خرابیاں بعض انفرادی خوبیوں سے دور نہیں ہوتیں۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے غلط نہیں کہا تھا کہ ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

مسلسل حادثوں نے مسلمانانِ ہند کو بیدار کرنے کے بجائے انہیں اور خوابِ غفلت میں مبتلا کر دیا۔ جاگیرداروں اور زمینداروں کا سہل انگار طبقہ اپنے حلوے مانڈے کی خاطر اقتدار وقت سے ہر زمانے میں نہ صرف یہ کہ سمجھوتا کرتا رہا بلکہ اس کا آلہ کار بنتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ہندوستان کی سماجی زندگی کے تار و پود بکھر گئے۔ ملک کے مخصوص عوامل نے توحید اور اخوتِ اسلامی کے علمبرداروں میں بھی امیر، غریب، بڑے چھوٹے اور ذات پات کی لعنت پیدا کر دی۔ اس صورتحال میں اصلاح کے لئے ایک طرف راجہ رام موہن رائے نے ہندوؤں میں اور مولانا سید احمد بریلویؒ نے مسلمانوں میں بڑی اہم تحریکیں چلائیں ان کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ مگر ہندوستانی سماج ہمہ گیر انقلابی تبدیلیوں کے بغیر محض جزوی اصلاحات سے بدلنے والا نہ تھا۔

انگریزی سیاست و تہذیب کے غلبہ نے یہاں کی سماجی خرابیوں میں اصلاح حال کے بجائے کئی نئی گرہیں ڈال دیں جس کے ردعمل میں غلامی سے نجات پانے کیلئے جدوجہد آزادی کا آغاز ہوا معاً بعد ملک کے جملہ قبائل اور اقوام میں طرح طرح کی سیاسی، مذہبی اور اصلاحی تحریکوں کا آغاز ہو گیا۔

مہاتما گاندھی نے بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ آزادی کی جدوجہد اور اس کی نعمت اس وقت تک بے معنیٰ رہے گی جبتک کہ کروڑوں اچھوتوں کو ان کے انسانی حقوق واپس نہ دیئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے وقت واحد میں ایک طرف تو انگریز سامراج کو چیلنج کیا اور دوسری طرف سماجی ناانصافیوں کے خلاف بھی جنگ شروع کر دی۔ اس کے برخلاف مسلم قیادت نے مسلم لیگ خلافت، کانگریس اور احرار وغیرہ کی صورتوں میں اپنا سارا وزن سیاسی جدوجہد کے پلڑے میں ڈال دیا۔ انہوں نے اس تلخ حقیقت کو

تقریباً نظر انداز کر دیا کہ صدیوں باہمی تعلقات کے نتیجے میں خود ان کی قوم یہاں کے بہت سے مشرکانہ رسوم اور ذات پات کی لعنتوں میں گرفتار ہو چکی ہے۔ اب ان کلمہ گویوں کے درمیان بھی غربت و امارت کی ناقابل عبور دیواریں کھڑی ہو چکی ہیں۔ مسلم قیادت کی اس سفید پوش سیاست اور شتر گربگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا سواد اعظم اپنی بنیادی کمزوریوں سے بے نیاز ہو کر جذباتی سیاست کا شکار ہو گیا۔

اس سیاسی و سماجی پس منظر میں قدرت نے مولوی علی حسین عاصم بہاری کو غریب اور پسماندہ مسلمانوں کا ایک مسیحا بنا کر اٹھایا۔ انہوں نے واضح طور پر یہ پیش بینی کر لی کہ برادران وطن تو آزادی کی اس جدوجہد میں اپنی ہمہ گیر بیداری کی بنا پر بہت کچھ پالیں گے مگر کل آزاد ہندوستان میں غریب مسلمانوں کا کیا بنے گا۔ اچھوتوں کو ہریجن بنا کر ان کے غصب شدہ حقوق واپس کئے جا رہے ہیں مگر غریب اور پسماندہ مسلمانوں کے پامال شدہ انسانی حقوق سے کسی کو واقعی دلچسپی نہیں۔ جاگیر دار، زمیندار اور نام نہاد پیروں نے غریب اور ان پڑھ مسلمانوں کا رہا سہا خون چوس لیا تھا۔ اس ابتر ماحول کے باوجود محض سیاسی آزادی کا کھلونا پسماندہ مسلمانوں کے لئے ہرگز کافی نہیں تھا۔

مولوی علی حسین عاصم بہاری (تاریخ پیدائش ۱۸۸۹ء م ۱۳۰۹ھ، محلہ خاصگنج، بہار شریف، ضلع نالندہ پٹنہ) جو ایک دیندار مگر غریب اور مزدور پیشہ بُن کر گھر کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہی مجبوراً انہیں سولہ برس کی عمر میں اوشا کمپنی کلکتہ کی ملازمت (۱۹۰۶ء) اختیار کر لینی پڑی۔ ملازمت سے جو وقت بچتا وہ مسلسل مطالعہ میں صرف کرتے۔ اس زمانے میں کلکتہ ہندوستان کا نہ صرف دار السلطنت تھا بلکہ ہر قسم کے علمی، سیاسی اور سماجی تحریکات کا سب سے اہم ترین مرکز بھی تھا چنانچہ عاصم بہاری کے قلب حساس اور ذہن رسا نے اس ماحول سے بھرپور استفادہ کیا۔ مختلف قسم کی تحریکوں میں رضا کارانہ حصہ لینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بندگی بے چارگی والی ملازمت ان سے زیادہ دنوں تک نبھ نہ سکی بالآخر مستعفی ہو کر بیڑی سازی کے آزاد معاش میں لگ گئے۔

یہاں ہم خیال نوجوانوں کی ایک ٹیم مل گئی جن کے ساتھ سیاسی اور سماجی دلچسپیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۹۱۱ء میں تاریخ المنوال (مصنفہ مولانا عبد السلام مبارک پوری) کی شکل میں پارچہ باف قبیلہ انصار کی جب ایک مبسوط تاریخ منظر عام پر آگئی تو اس اہم تصنیف نے ان کی فکر کو ایک نیا موڑ دیا۔ انہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ ہندوستانی مسلمان مشرکانہ برہمنیت زدہ ماحول اور صدیوں غلامی کی وجہ سے اپنی حقیقی دینی بنیادوں سے دور ہو گئے ہیں۔ مغربی سیاست اور جاگیر دارانہ سماج نے ان کی صنعت و حرفت اور اقتصادیات کا جنازہ نکال دیا ہے۔ چنانچہ غربت، جہالت اور دین سے بے خبری نے مسلم سماج کو نت نئے فساد سے بھر دیا ہے۔ موصوف کے خیال میں اس بدترین صورتحال کو تبدیل کرنے کے لئے عرفی شرفا کی سفید پوش سیاست میں شرکت ہرگز کافی نہیں بلکہ گمراہ کن ثابت ہوگی۔

چنانچہ شب و روز کے مطالعہ، علماء و قائدین کی صحبت اور عملی تجربوں کی روشنی میں انہوں نے اپنے لائحہ عمل کے لئے مندرجہ ذیل بنیادوں کو اولین اہمیت دی :-

۱۔ قرآن و سنت کی روشنی میں دین کے حقیقی تصور کا فروغ اور اخوت اسلامی کے لئے جدوجہد۔

۲۔ تعلیم اور صنعت و حرفت کی ترقی۔ ۳۔ معاشرتی اصلاح۔

اب وہ اس نصب العین کے لئے تن من دھن سے لگ گئے اپنے قریب ترین احباب کے ساتھ پہلے تو کلکتہ میں ایک پنج سالہ منصوبہ (۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۷ء) کے تحت مختلف محلّوں میں، مختلف قسم کی انجمنوں کے زیر اہتمام کام کا آغاز کیا۔ موصوف اکثر مولانا آزاد کی صحبت سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ آگے چل کر یہ ملاقات دوستی میں تبدیل ہوگئی تھی۔ وقتاً فوقتاً اپنے وطن بہار شریف آتے تو اپنے دوستوں کو متحرک کرتے رہتے۔ محلہ خاصگنج، بہار شریف میں بزم ادب (۱۹۱۴ء) تشکیل دی جس کے زیر اہتمام ایک گرانقدر لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ کلکتہ میں ہم خیال احباب کی تربیت کیلئے دارالمذاکرہ (دسمبر ۱۹۱۸ء) قائم کیا۔ جہاں ان کی طرح دوسرے مزدور پیشہ نوجوان کام سے فراغت کے بعد شب میں کسی مقام پر قرآن و حدیث، تاریخ اسلام اور حالات حاضرہ پر گھنٹوں تقریریں اور بحث و مباحثہ کرتے۔ بسا اوقات یہ مذاکرہ رات رات بھر جاری رہتا۔ ان نشستوں میں سرسیدؒ، علامہ شبلیؒ، مولانا حالیؒ اور مولانا آزادؒ کی تحریریں بھی زیر مطالعہ و مباحثہ رہتی تھیں۔

دو برسوں تک اس سلسلے نے جب تربیت یافتہ نوجوانوں کی ایک ٹیم فراہم کردی تو اوائل ۱۹۲۰ء میں موصوف نے تانتی باغ کلکتہ میں جمعیۃ المومنین نام کی ایک باضابطہ تنظیم قائم کرلی جس کے ایک بڑے جلسے (۱۰ مارچ ۱۹۲۰ء) میں مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی تقریر کی۔ دوران تقریر مولانا آزاد نے مولوی علی حسین عاصم بہاریؒ کا نام لیکر ان کی مساعی کی تحسین فرمائی اور نوجوانانِ انصار کو ان کی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔

بتدریج عاصم بہاری کی یہ کاوشیں ترقی کرتی ہوئی ایک تحریک کا روپ دھار رہی تھیں۔ ان کے حوصلے بڑھتے چلے گئے۔ چنانچہ تانتی باغ کے مزدور پیشہ مسلمانوں اور انصاریوں کو حالاتِ حاضرہ سے باخبر رکھنے کے لئے اپریل ۱۹۲۱ء سے ایک دیواری اخبار "المومن" کا سلسلہ شروع کیا جو بے حد مقبول ہوا۔ یہی دیواری المومن مولانا یحییٰ صاحب کی ہمت سے اوائل ۱۹۲۳ء سے ماہانہ رسالہ المومن کی شکل میں جاری ہوا جس نے مومن تحریک کو برسوں بڑی تقویت پہنچائی۔

موصوف نے ۱۰ ستمبر ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ المومنین تانتی باغ کلکتہ کا ایک تاریخی جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں انہوں نے اپنے دیرینہ تعلقات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قائدین ملک و ملت کو بھی مدعو کیا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی، مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے علاوہ کئی دیگر سربرآوردہ شخصیتوں نے بھی جلسہ سے خطاب کیا۔ کانگریس پارٹی اور مہاتما گاندھی نے چونکہ گھریلو صنعت اور غریبوں کی ہمت افزائی کو اپنے نصب العین میں شامل کر رکھا تھا۔ اس لئے جلسہ کے بعد صنعت پارچہ بافی کی تنظیم و ترقی کے لئے موصوف نے گاندھی جی کی خدمت میں ایک پوری اسکیم پیش کی۔ وہ پارٹی کی شرائط پر ایک لاکھ کی خطیر رقم دینے کے لئے بھی تیار تھے مگر تحریک کے اولین مرحلہ میں اس کھلی سیاسی وابستگی سے خود کو آزاد رکھنے کے لئے انہیں اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کرنا پڑا۔

محدود پیمانے پر ان تحریکی کاوشوں کی کامیابی نے عاصم بہاری کے حوصلوں کو دوچند کردیا۔ اور اب اسے ایک ہندوستان گیر تحریک کی شکل دینے پر غور و فکر کرنے لگے۔ مگر اس سلسلے میں تدریج اور فطری طریق کار کو اختیار کیا۔ بنگال کے بجائے سب سے پہلے اپنے وطن صوبہ بہار کو نشانہ بنایا۔ اوائل ۱۹۲۲ء میں بہار آگئے پہلے بہار شریف کے مختلف محلّوں اور

پھر اس صوبہ کے کئی بڑے شہروں کے مفصل دورے کئے۔ ہر جگہ تحریک کے خطوط کار کو عصری مسائل کے پس منظر میں اس طرح پیش کیا کہ رفتہ رفتہ تحریک پسماندہ مسلم برادریوں میں جڑ پکڑنے لگی۔ ۱۷ نومبر ۱۹۲۱ء کو جمعیۃ المومنین بہار شریف کی تنظیم اور اسکے ایک ماہ کے بعد جمعیۃ انجمن انصاریہ پٹنہ کا قیام عمل میں آیا۔ اب وہ اس تحریک کو اپنی تمام کم مائیگیوں اور مالی پریشانیوں کے باوجود ملک گیر پیمانے پر آگے بڑھانے میں دل وجان سے لگ گئے۔ نوزائیدہ بچہ محمد قمر الدین بستر مرگ پر آخری سانسیں لے رہا تھا مگر سوہ ڈیہہ کے جلسہ میں شرکت کا چونکہ وعدہ کر چکے تھے اس لئے اللہ کا نام لے کر قدرے پس وپیش کے بعد شریک جلسہ ہوئے اور ادھر بچے کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کی بچی بارکہ کی پیدائش کے وقت پورا گھر قرض اور فاقے پر گذر کر رہا تھا مگر غریب مسلمانوں کو بیدار اور منظم کرنے کے لئے وہ جس طوفانی دورے پر نکل چکے تھے اس سے اپنے قدم کو واپس نہیں لیا۔ اس دوران پٹنہ سیٹی میں آریہ سماجیوں نے مناظرہ بازی کے لئے مقامی علماء کو للکارا۔ کافی وشافی جواب کسی سے بن نہیں پڑ رہا تھا۔ عاصم بہاری کو خبر ہوئی تو اپنے ایک عزیز سے سفر خرچ بطور قرض حاصل کیا اور زادراہ کے طور پر مکئی کے چبینے (بھونے) تھیلے میں ڈال لئے اور پٹنہ سیٹی پہنچ گئے۔ وہاں اپنی منطقی تقریر اور مدلل مباحثے سے آریہ سماجی مناظر کو ایسا زیر کیا کہ اسے فرار کی راہ اختیار کرنی پڑی۔ بہار کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد ۳-۴ جون ۱۹۲۲ء کو بہار شریف میں جمعیۃ الانصار صوبہ بہار کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر دیا اور دوا دوش شروع ہو گئی۔ فراہمی فنڈ کے لئے کئی اسکیمیں بنیں مگر کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ تحریک مومن کانفرنس کی پہلی صوبائی کانفرنس کی تاریخ سر پر آپہنچی۔ پہلے ہی اعلان کیا جا چکا تھا کہ مندوبین (ڈیلیگیٹس) سے قیام وطعام کی کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔ اب جبکہ مندوبین مختلف شہروں سے پہنچنے لگے اور فنڈ بھی فراہم نہ ہو سکا تو عین وقت پر عاصم بہاریؒ نے اپنی والدہ محترمہ کو اس امر پر راضی کر لیا کہ وہ اپنے چھوٹے صاحبزادے (مولوی محمود احسن) کی ہونے والی شادی کے لئے جو اجناس اور زیورات مہیا کر چکی ہیں وہ عارضی طور پر کانفرنس میں آئے ہوئے مہمانوں پر خرچ کرنے کے لئے دیدیں بعد میں چندہ کر کے ذمہ داران مومن کانفرنس انہیں واپس کر دیں گے۔ چنانچہ کانفرنس مجوزہ تاریخوں میں نہایت شاندار طریقے سے منعقد ہوئی مگر عاصم بہاری اور ان کے احباب ہزار سر مارنے کے باوجود ان کے چھوٹے بھائی کی شادی کے دن تک کوئی رقم اور جنس ان کی والدہ کو واپس نہ کر سکے۔ آخر انتہائی پشیمانی اور خفت کے عالم میں شادی سے چند دن قبل عاصم بہاری خاموشی کے ساتھ گھر سے نکل گئے۔ والدہ نے طلبی کا پیغام بھی بھیجا مگر انہیں شریک تقریب ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔

ان تمام پشیمانیوں کے باوجود ان کے تحریکی جنون میں کوئی کمی نہیں آئی کیونکہ بقول ان کے ؎

رضائے مولا پہ ہو کے راضی میں اپنی ہستی کو کھو چکا ہوں
اب اسکی مرضی ہے اپنی مرضی جو چاہے پروردگار ہوگا

بعض مخلص اور مخیر احباب کے تعاون سے وہ کانفرنس کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اور زور وشور سے دورے

کرنے لگے۔ آگے چل کر اگست ۱۹۲۴ء میں منتخب اور مخلص افراد کی ٹھوس تربیت کے لئے ایک "مجلس میثاق" (یا "اتحادِ خاندان") تشکیل دی۔ اس میثاق نے ۶ جولائی ۱۹۲۵ء کو یہ طے کیا کہ تحریک کو ٹھوس بنیادوں پر آگے بڑھانے کے لئے اس کا ایک پندرہ روزہ ترجمان الاکرام کے نام سے بہار شریف سے جاری کیا جائے جس کا پہلا شمارہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۲ء کو منظر عام پر آیا۔

صنعت پارچہ بافی کی تنظیم و ترقی کے لئے بہار ویورس ایسوسی ایشن کی تنظیم قائم کی۔ بعد میں جس کی شاخیں کلکتہ اور دوسرے شہروں میں بھی قائم ہوئیں۔ عام مسلمانوں میں بیداری اور نظم و اتحاد کو قائم کرنے کے لئے سید مہدی حسن ایڈوکیٹ کے تعاون سے جمعیۃ اسلامیہ نام کی ایک تنظیم بھی بہار شریف میں قائم کی۔

بہار کو منظم کرنے کے بعد ۱۹۲۷ء سے موصوف یوپی کی طرف متوجہ ہوئے۔ گورکھپور، بنارس، الہ آباد، مراد آباد، کانپور اور یوپی کے مغربی اضلاع نیز دہلی و پنجاب کے دورے کے بعد ۷۔۸ اپریل ۱۹۲۸ء کو کلکتہ میں پہلے آل انڈیا مومن کانفرنس کا عظیم الشان تاریخی جلسہ منعقد کیا۔ دوسرا اجلاس الہ آباد (مارچ ۱۹۲۹ء) تیسرا اجلاس دہلی (اکتوبر ۱۹۳۱ء) چوتھا لاہور اور پانچواں اجلاس گیا، بہار (نومبر ۱۹۳۲ء) میں منعقد ہوا۔ اس کے بعد کانپور، گورکھپور، دہلی اور پٹنہ میں بھی اسکے سالانہ اجلاس منعقد ہوئے اور تنظیم کی شاخیں بمبئی، ناگپور، حیدر آباد، مدراس یہاں تک کہ لنکا اور برما میں بھی قائم ہوئیں۔ یوں ان کی تحریک ہندوستان گیر شکل میں منظم ہوگئی۔ کانپور سے ہفتہ وار مومن گزٹ کا اجرا عمل میں آیا جس کے تاعمر مدیر اور سرپرست رہے۔

تنظیم و تحریک میں ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ خود پیچھے رہ کر باصلاحیت اور اہل تر افراد کو تنظیم کے اعلیٰ عہدوں پر رکھتے خود کو کبھی جوائنٹ سکریٹری یا جنرل سکریٹری سے آگے نہیں بڑھایا۔ تنظیم و تحریک کا کام جب بے حد پھیل گیا اور انہیں محنت مزدوری کا بالکل موقع نہیں رہا تو نومبر ۱۹۳۰ء سے اس کی مجلس عاملہ سے ایک قلیل رقم (مبلغ پچاس روپئے ماہانہ) کفاف متعین کرالیا۔ مگر یہ رقم بھی کبھی وقت پر اور پوری نہیں ملی۔

گیا کے اجلاس سے تحریک میں خواتین کا حلقہ بھی متحرک ہوا اور جا بجا اس کی شاخیں بھی قائم ہونے لگیں جس مقام پر مومن کانفرنس کی شاخ قائم کی جاتی وہاں بالعموم چھوٹے بڑے اجتماعات کے علاوہ لائبریری، تعلیمی و صنعتی اور کاروباری ادارے بھی قائم کئے جاتے۔

عاصم بہاری کے دورِ قیادت میں تحریک کی اول روز سے یہ کوشش رہی کہ انصاریوں کے علاوہ دیگر پسماندہ اور غریب مسلم برادریوں کو بھی بیدار اور منظم کیا جائے چنانچہ ہر آل انڈیا اجلاس کے موقع پر مختلف برادریوں اور اداروں کے اکابر اور عہدیداران کو بھی مدعو کیا جاتا۔ مومن گزٹ بلا امتیاز ان تمام تنظیموں کی روداد بے کم و کاست شائع کرتا۔ مومن گزٹ کی پیروی میں ملک کے مختلف شہروں سے بعض افراد اور مقامی تنظیموں کے زیر اہتمام مختلف قسم کے اخبار و رسائل کے

اجرائے ادب وصحافت اور شاعری کو بھی خاصا فروغ دیا۔

۱۹۳۵-۳۶ء سے ملکی سیاست نے جب نیا رُخ اختیار کرنا شروع کیا تو عاصم بہاری اور آل انڈیا مومن کانفرنس پر زبردست سیاسی دباؤ کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ موصوف نے ہمیشہ اس امر کی کوشش کی کہ سیاست میں کسی ایک پارٹی کی حاشیہ برداری کے بجائے اس کی آزادانہ حیثیت کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے۔ آل انڈیا مومن کانفرنس کی مجلس عاملہ کے بعض ارکان مسلم لیگ اور کانگریس کی طرف انتہا پسندانہ رجحانات رکھنے کی وجہ سے اس بات کے خواہشمند تھے کہ پوری تحریک ان کے مخصوص رجحان کی حامل ہو جائے مگر عاصم بہاری نے کبھی توازن بگڑنے نہیں دیا۔ انٹرم گورنمنٹ کے زمانے میں ملک کے مختلف مقامات پر مومن کانفرنس کے نامزد ارکان خاصی تعداد میں اسمبلی الیکشن میں کامیاب ہوئے تو بہتوں کو اس تنظیم کی وسعت اور قوت کار کا پہلی دفعہ اندازہ ہوا۔ یہیں سے اس تحریک کی مخالفت بھی منظم انداز میں شروع ہو گئی۔ مسلمانوں میں ذات پات کو ہوا دینے والے عرفی شرفا اور علمائے سو نے سیاسی اور مذہبی اصطلاحات میں طرح طرح کی الزام تراشیاں شروع کیں۔ فتاوے اور اشتہارات ہی نہیں "جولاہہ نامہ" جیسی شر انگیز مستقل تصنیف تک منظر عام پر آئی۔ کانپور میں ۱۹۳۸ء کے الیکشن کے موقع پر ایسی کشیدگی پیدا کر دی گئی کہ بالآخر ایک مومن اسکاؤٹ عبداللہ کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ شر انگیزوں نے قاتلانہ حملہ کر کے انہیں ہلاک کر دیا۔ انہوں نے غلط نہیں کہا تھا کہ ؎

مٹے گا ہرگز نہیں تشتت یہی جو لیل و نہار ہوگا
تمام دنیا کی آفتوں کا قبیلہ اپنا شکار ہوگا

اس ماحول میں بھی عاصم بہاری نے اپنی اعتدال پسندی اور میانہ روی پر حرف نہیں آنے دیا۔ مختلف ملکی و ملی کانفرنسوں، جلسوں، تقریبوں اور سیرت النبی کے اجتماعات میں جد و جہد آزادی، ملکی و ملی مفادات اور اخوت اسلامی کی اہمیت پر دو ٹوک انداز میں ولنشیں تقریریں کرتے رہے۔ ان کے مخصوص لب و لہجہ، مزاحیہ انداز بیان اور لطائف و ظرائف سے ان کی تقریریں اس قدر دلکش اور دلپذیر ہو جاتی تھیں کہ عامی ہو یا دانشور سبھی ان سے یکساں لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ برصغیر کے اس طول و عرض میں آج بھی ایسے ہزاروں افراد موجود ہیں جو ان کی اس خطابت اور جادو بیانی کے گواہ ہیں۔

غریبوں اور پسماندہ برادریوں (مسلم اور غیر مسلم) کے درمیان ان کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا حقیقی راز یہ تھا کہ انہوں نے انتہائی خلوص اور ایثار سے کام لے کر اپنی پوری صلاحیتیں ملک و ملت کی تعمیر و اتحاد میں صرف کر دیں۔ ملک و ملت کی تاریخ میں عاصم بہاری جیسی خود ساز اور انقلابی شخصیتیں شاید انگلیوں پر بھی شمار نہیں کرائی جا سکتیں جو انتہائی مفلوک الحال خاندان اور طبقہ سے اُٹھ کر اپنی علمی کم مائیگی کے باوجود نہ صرف شہر شہر بلکہ عمر بھر گاؤں گاؤں، دیہات دیہات کی خاک چھانی، مخالفوں کے طعنے سُنے، پورے کنبے کے مستقبل کو داؤں پر لگا دیا، فاقے سہے، دمہ اور اختلاج قلب کا کبھی سکون سے علاج کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ دورانِ سفر خون تھوکتے رہے پھر بھی زبان و قلم اور قلب و روح

کی ساری قوتیں ملک وملت پر قربان کرکے غربا کی ایک مضبوط آل انڈیا تنظیم کھڑی کردی۔

تقسیم ملک کے وقت کی بحرانی سیاست سے کچھ دلوں کے لئے کنارہ کش ہوگئے تو پرائے تو پرائے بعض نادان اپنوں نے بھی انہیں سب وشتم کا نشانہ بنایا سب کچھ سنتے اور سہتے رہے مگر زبان پر یہی درد تھا کہ ؎

قفس میں غفلت کے قوم میری شکستہ پر جب تلک رہے گی
نہ چین مجھ کو ملے گا ہرگز نہ دل کو میرے قرار ہوگا

بالآخر ۱۹۴۷ء کا طوفان جب سر سے کسی طرح گذر گیا خود ان کے وہ شاگردان جو اپنی نادانی اور بے بصیرتی یا خود غرضی کی وجہ سے ان پر زبان طعن دراز کرچکے تھے۔ موصوف کی پیش گوئیوں کو حرف بحرف صحیح ہوتے ہوئے دیکھ لیا اور پھر جب شرمسار اور معذرت خواہ ہوئے تو سب کچھ بھلا کر پھر بہار شریف اور الہ آباد سے مومن گزٹ کا دوبارہ اجرا کیا اور ملک کے بدلے ہوئے نئے سیاسی وسماجی ماحول میں مسلمانوں اور انصاریوں کو عمل واتحاد اور خدا پرستی کا روح پرور پیغام ایک بار پھر سنانا شروع کردیا۔ اب ان کے سامنے جو مشن تھا وہ یہ کہ اس پوری مومن تحریک کو خدا پرستی کی بنیادوں پر استوار کرکے اسے اس طرح آگے بڑھایا جائے کہ ذات پات اور اونچ نیچ کے بھید بھاؤ نیز احساس کمتری وبرتری سے قوم مسلم کو نجات دلائی جائے کیونکہ اب جو نیا طوفان درپیش تھا اس کی زد میں "ابن فلاں اور ابن فلاں" کے سارے امتیازات ملیامیٹ ہوچکے تھے۔ پورا ملک جلد ہی کچھ نئے فتنوں اور ایک نئے علمی وصنعتی انقلاب سے دوچار ہونے والا تھا اس لئے انہوں نے دوبارہ اخوت ومساوات، تعلیم وتنظیم اور صنعت و حرفت کی ترقی کی طرف قوم کو متوجہ کیا۔ مگر مشیت ایزدی کو ان سے جتنا کام لینا تھا وہ لے چکی تھی۔ ان کی عمر اور صحت اب اس لائق نہیں رہ گئی تھی کہ اپنے اس مشن کو سابق دستور، انتھک محنت اور ملک گیر دورے کرکے پایۂ تکمیل کو پہنچاتے۔

آخر عمر میں جب ان کی صحت تیزی سے گرنے لگی تو الہ آباد کے عقیدتمندوں اور مخلص قدردانوں نے موصوف کی بڑی خدمت کی ان کے آرام اور علاج معالجے کا پورا پورا اہتمام کیا گیا مگر ان کا وقت پورا ہوچکا تھا اس لئے ۶ دسمبر ۱۹۵۳ء (بروز اتوار، بوقت ۲ بجے شب) بمکان حاجی قمرالدین صاحب، محلہ اٹالہ الہ آباد میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے تو ان کی یہ پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی کہ ؎

ہمارے مرنے پہ ایک عالم ہماری خوبی پہ جان دیگا
بچھے گی ماتم کی صف جہاں میں عدو تلک سوگوار ہوگا

کتابت: ابوالکلام عزیزی

بہار بلاک اینڈ آفسٹ پرنٹنگ ورکس پرائیویٹ لمیٹڈ پٹنہ